38

ہمیں نئے حالات میں نئے جوش اور نئے ولولہ سے کام کرنا چاہیے

(فرمودہ 24/اکتوبر 1947ء بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے تمام دنیا سے زیادہ قابلیت بخشی ہے اور اس میں کائنات کے تمام اقسام کے جوہر اس میں بھر دیئے ہیں۔ اس میں نباتات کی خاصیتیں بھی ہیں، اس میں حیوانات کی خاصیتیں بھی ہیں اور اس میں جمادات کی خاصیتیں بھی ہیں، کبھی وہ اپنے استقلال اور عزم میں اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ چٹان سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ انجیل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق انہی الفاظ میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ وہ کونے کا پتھر ہوگا۔ جس پر وہ گرے گا وہ بھی چکنا چُور ہو جائے گا اور جو اس پر گھرے گا وہ بھی چکنا چُور ہو جائے گا 1۔ چونکہ کونے پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے اور عمارت کی مضبوطی کونے کی مضبوطی پر منحصر ہوتی ہے اس لئے وہاں چُن کر مضبوط پتھر لگایا جاتا ہے۔ پس کونے کے پتھر کے معنی مضبوط پتھر کے ہیں۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پیشگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ کونے کا پتھر ہوگا۔ جس پر وہ گرے گا وہ بھی چکنا چُور ہو جائے گا۔ اور جو اس پر گرے گا وہ بھی چکنا چُور ہو جائے گا پھر انسان کے اندر نباتی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ اور نباتی صفات کے سلسلہ میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ 2۔ اچھا درخت وہ ہوتا ہے جس کی جڑیں پاتال تک چلی جاتی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پھیل جاتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کے اندر یہ قابلیت بھی پائی جاتی

ہے۔خصوصاً ایک مسلمان کے اندر تو یہ قابلیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک طرف وہ بنی نوع انسان سے نہایت اعلیٰ درجہ کے تعلقات رکھتا ہے تو دوسری طرف خدا تعالیٰ سے اس کے نہایت وسیع تعلقات ہوتے ہیں۔اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اس سے وابستگی اس کے اندر انتہائی کمال پر پائی جاتی ہے۔اس کی راتیں اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی محبت میں کٹ جاتی ہیں اور اس کے دن اپنے بھائیوں کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے میں بسر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کسی صوفی سے کسی نے پوچھا کہ کون آدمی سب سے بہتر ہوتا ہے؟ اُس نے کہا بہتر آدمی وہ ہے جو ''دست درکار و دل بایار'' کا مصداق ہو۔ وہ نکمّا بیٹھنے والا نہ ہو، کام کرنے والا ہو، محنتی اور جفاکش ہو۔لیکن باوجود اس انہماک کے اور باوجود اس دنیا میں ایسے رنگ میں مشغول رہنے کے کہ لوگ سمجھتے ہوں یہ ایک لوہار ہے جو لوہارے کے کام میں مصروف ہے۔ یا ایک سنار ہے جو زرگری کے کام میں مصروف ہے۔ یا ایک معمار ہے جو معماری کے کام میں مشغول ہے۔ یا ایک ڈاکٹر ہے جو ڈاکٹری کے کام میں مشغول ہے۔اس کے دل کی آنکھیں آسمان پر اپنے محبوب کی طرف ہوتی ہیں اور خدا تعالیٰ کی یاد کسی لمحہ بھی اس کے دل سے محو نہیں ہوتی۔ یہ وہی اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ کا نمونہ ہے کہ اس کی جڑیں ایک طرف زمین میں گہری چلی جاتی ہیں اور دوسری طرف اس کا دل ہر وقت آسمان پر اپنے محبوب کے پاس ہوتا ہے۔ وہ حیران بھی ہے یعنی وہ دوسروں کے ساتھ مل کر اپنی نسلیں پیدا کرتا اور بڑھاتا ہے۔ بلکہ یہ صفت اس حد تک اس کے اندر پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے افکار اور خیالات بھی دوسروں تک پہنچاتا اور ان کو اپنے افکار اور خیالات کا قائل بنا لیتا ہے۔اس طرح وہ روحانی نسل کے بڑھانے میں ایک ممتاز اور یگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ جسمانی نسل کے بڑھانے میں تو ایک کتّا اور بِلّا اور لومڑ بھی انسان کے شریک ہیں۔مگر روحانی نسل کے بڑھانے میں انسان کا کوئی شریک نہیں۔ وہ درندہ صفت انسانوں کو لیتا اور انہیں بڑے بڑے اعلیٰ درجہ کے کمالات تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ کلب صفت انسانوں کو لیتا اور ان کو ترقی دیتے دیتے نیکی اور پاکیزگی کے بلند ترین مقام تک پہنچا دیتا ہے۔غرض درندے، چرندے، حیوانات اور بہائم ایک کامل انسان کے پاس آ کر اپنی شکل بالکل تبدیل کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہی لوگ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ 3۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے کامل انسانوں کے پاس آتے ہیں تو ان کی ایسی کایا پلٹ جاتی ہے کہ وہ انسانوں کے لئے بھی قابلِ رشک بن جاتے ہیں۔ پہلے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہوتے ہیں اور پھر وہ انسانوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہو جاتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے انسان میں ساری صفات رکھی ہیں۔ یہ انسان کا اپنا قصور ہوتا ہے کہ وہ ان صفات سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اگر فائدہ اٹھائے تو یقیناً وہ ترقی کرتے کرتے ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ فرشتے بھی اس پر رشک کرنے لگ جائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا محبوب بن جائے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی چیز کی پروا نہ کریں۔ مگر ضرورت ہے قربانی کی، ضرورت ہے محنت کی، ضرورت ہے اخلاص اور محبت کی۔ بہت لوگ دنیا میں آتے ہیں اور اپنی عمریں ضائع کر کے چلے جاتے ہیں۔ نہ وہ صحیح محنت کرتے ہیں۔ نہ صحیح جدوجہد سے کام لیتے ہیں، نہ اپنے اوقات کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر سے صحیح فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ بہت لوگ کام تو کرتے ہیں مگر دن رات میں تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں کرتے۔ ان کا کچھ وقت سونے میں گزر جاتا ہے، کچھ کھانے پینے میں گزر جاتا ہے، کچھ کپڑے بدلنے میں گزر جاتا ہے۔ کچھ قیلولہ کرنے میں گزر جاتا ہے، کچھ پاخانہ پیشاب میں گزر جاتا ہے، کچھ ورزش میں گزر جاتا ہے، کچھ دوستوں کے ساتھ گپّیں ہانکنے میں گزر جاتا ہے۔ اور اصل وقت جو وہ کام پر صَرف کرتے ہیں وہ دو تین گھنٹے سے زیادہ نہیں ہوتا۔ دفاتر میں عموماً پانچ گھنٹے کام کیا جاتا ہے۔ مگر ان پانچ گھنٹوں میں سے بھی ملازم پیشہ لوگ اڑھائی گھنٹے ضائع کر دیتے ہیں۔ دفتر جائیں گے تو بجائے کام کرنے کے کبھی کاغذ اٹھا اٹھا کر پھاڑنے لگ جائیں گے۔ کبھی میز صاف کرنے لگ جائیں گے۔ کبھی سیاہی کو غور سے دیکھنے لگ جائیں گے۔ کبھی گپیں ہانکنے لگ جائیں گے۔ اِس طرح بہت سے لوگ پانچ گھنٹوں میں سے بھی نصف وقت ضائع کر دیتے ہیں۔ اِسی لئے اُن کا ذہن ترقی نہیں کرتا اور نہ وہ قوم کے لئے کارآمد وجود ثابت ہوتے ہیں۔ کارآمد لوگ زیادہ سے زیادہ کام کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ وقت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اُن کا دماغ ہر وقت ترقی کرتا رہتا ہے اور وہ قوم کے لئے اعلیٰ درجہ کے خدمت گزار

ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے۔ کیونکہ دنیا اُن پر حکم نہیں چلاتی بلکہ وہ دنیا پر حکم چلاتے ہیں۔ اور ان میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو بدل کر رکھ دیں۔

درحقیقت دنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جن میں یہ قابلیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو بدل دیں۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ماحول کو بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایسے لوگ ادنیٰ قسم کے ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اِن دونوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ گویا اگر غور سے کام لیا جائے تو دنیا میں تین قسم کے لوگ نظر آئیں گے۔

(1) کچھ لوگ تو ماحول کے ماتحت ہوتے ہیں۔ انہیں اس ماحول میں سے نکال دو تو ان کی کوئی بھی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔

(2) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ہر ماحول کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ انہیں کسی ماحول میں لے جاؤ وہ اپنی پہلی حالت کو قائم کر لیتے ہیں یا اس سے بہتر حالت اختیار کر لیتے ہیں۔

(3) کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ماحول کو بدل کر اسے اپنے مطابق بنا لیتے ہیں۔ انہیں کہیں ڈال دو، دنیا کے کسی خطہ میں پھینک دو انہیں اس کی پروا نہیں ہوتی۔ وہ ہر ماحول کو بدل کر اسے اپنے منشاء کے مطابق بنانے کی کامل استعداد اور قابلیت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ جیسے سورج نکلتا ہے تو وہ خود ہی نہیں نکلتا بلکہ دنیا کے گوشے گوشے اور درودیوار کو منور کر دیتا ہے۔ چاند نکلتا ہے تو وہ آپ ہی نہیں نکلتا بلکہ دنیا کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ ہوائیں چلتی ہیں تو وہ آپ ہی نہیں چلتیں بلکہ ساری چیزوں کو ہلانے لگ جاتی ہیں۔ زلزلے آتے ہیں تو ان کے ذریعہ زمین کے اندر صرف ایک رَو ہی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ عمارتیں اور مکان بھی ہلنے لگ جاتے ہیں۔ غرض طاقتور چیز میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو بھی بدل کر رکھ دیا کرتی ہے۔ درمیانی درجہ کی چیز وہ کہلاتی ہے جو ہر ماحول میں اپنی پہلی حالت کو قائم کر لیتی یا اس سے بہتر حالت اختیار کر لیتی ہے۔ اور ادنیٰ درجہ کی چیز وہ ہوتی ہے جسے اُس کے ماحول سے بدل دو تو وہ سُوکھ کر رہ جاتی ہے۔ مگر اصل کارآمد وجود وہی لوگ ہوتے ہیں جو ہر قسم کے ماحول کو بدل کر اپنے منشاء کے مطابق ماحول بنانے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ اس سے نیچے اتر کر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں کسی

ماحول میں ڈال دیا جائے وہ اپنی پہلی حالت قائم کر لیتے ہیں۔ اور ادنیٰ ترین لوگ وہ ہوتے ہیں جن کے لئے ایک ماحول سے دوسرا ماحول اختیار کرنا سخت متعذّر رہوتا ہے۔ جیسے گول کیک دوسرا ماحول اختیار نہیں کرسکتا۔ اگر ایک گول کیک تم کسی دوسرے برتن میں ڈالو تو وہ اس کے مطابق اپنی شکل اختیار نہیں کرے گا بلکہ اس کے گوشے اِدھر اُدھر سے ٹوٹ جائیں گے اور اس کی شکل ویسی ہی رہے گی جیسے پہلے تھی۔ اس کے مقابلہ میں جو چیز بدلے ہوئے ماحول میں اس سے فائدہ اٹھانے لگتی ہے وہ درمیانی درجہ کی چیز ہوتی ہے اور اس کی مثال ایک تخمی درخت کی سی ہوتی ہے۔ درخت کی گٹھلی لگائی جاتی ہے تو کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے اُکھیڑ کر اُسے دوسری جگہ لگایا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے اُکھیڑ کر اُسے تیسری جگہ لگایا جاتا ہے۔ اور یہ بار بار اُکھیڑنا اور دوسری جگہ لگانا مُضِر نہیں ہوتا۔ بلکہ ماہر باغبان جانتے ہیں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ پھل وہی درخت دیتا ہے جسے کم از کم چھ دفعہ ایک جگہ سے اُکھیڑ کر دوسری جگہ لگایا گیا ہو۔ پہلے وہ گٹھلی لگاتے ہیں اور جب چھ ماہ کا عرصہ اُس پر گزر جاتا ہے تو اُس گٹھلی کو اُکھیڑ کر دوسری جگہ بو دیا جاتا ہے۔ چھ ماہ کے بعد اس پودے کو وہاں سے بھی اُکھیڑ کر تیسری جگہ لگایا جاتا ہے۔ اور جب پھر چھ ماہ گزر جاتے ہیں تو اسے وہاں سے اُکھیڑ کر چوتھی جگہ لگایا جاتا ہے۔ اور پھر چھ ماہ گزرنے پر اسے پانچویں جگہ لگایا جاتا ہے۔ اور مزید چھ ماہ گزرنے پر اسے چھٹی جگہ لگایا جاتا ہے۔ اِس طرح بار بار اس کی جگہ تبدیل کی جاتی ہے۔ اور جب کم از کم چھ دفعہ کسی درخت کی جگہ کو تبدیل کیا جائے تب اُس کا پھل نہایت میٹھا اور لذیذ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہر باغبان تخمی آم اور تخمی پودوں کی جگہ بار بار بدلتے رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جب تک بار بار درخت کی جگہ کو بدلا نہیں جائے گا کبھی اچھا پھل نہیں آسکے گا۔ بلکہ جب تک پیوند کا طریق نہیں نکلا تھا درخت سے اُسی قسم کا درخت پیدا کرنے کے لئے یہی طریق اختیار کیا جاتا رہا۔ تخمی درخت کبھی اس قسم کا پھل نہیں دیتا جس قسم کی گٹھلی ہوتی ہے۔ مثلاً لنگڑے آم کی گٹھلی یا ثمرِ بہشت کی گٹھلی لگاؤ تو ضروری نہیں کہ اس کے نتیجہ میں لنگڑا یا ثمرِ بہشت ہی پیدا ہو۔ حیوانوں میں تو یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ کُتّے کا بیٹا کُتّا ہی ہوتا ہے۔ مگر درختوں میں یہ قاعدہ نہیں۔ درخت بالعموم اَور نسل کا ہوتا ہے اور اُس کی گٹھلی کے ذریعہ جو درخت نکلتا ہے وہ اَور نسل کا ہوتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دفعہ اس کی اپنی طاقت کم ہو جاتی ہے اور

مٹی کی طاقت زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے جو چیز نکلتی ہے وہ اصل سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً ہوسکتا ہے کہ جو گٹھلی تم نے بوئی ہے وہ تو میٹھے آم کی ہو اور نکل آئے کھٹا آم۔ یا گٹھلی کھٹے آم کی ہو اور نکل آئے میٹھا آم۔ یا جس پھل کی تم نے گٹھلی بوئی ہے وہ تو بہت چھوٹا سا ہو مگر اس کے نتیجہ میں بڑا پھل پیدا ہو۔ یا تمہارے پھل کا قد تو بہت بڑا تھا مگر زمین سے ایسا درخت پیدا ہو جس کا پھل بہت چھوٹا ہو۔ لیکن اگر جگہ بدل دی جائے تو ایک خاص نسبت ایسے آموں کی ہوتی ہے جو اپنی اصل شکل پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جب تک پیوند کا طریق جاری نہیں ہوا تھا اُس وقت تک آموں کو اصل شکلوں پر لانے کے لئے یہی طریق مروّج تھا کہ چھ چھ سات سات آٹھ آٹھ دس دس جگہ پودے کو بدلتے چلے جاتے تھے۔ مَیں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے۔ مجھے ایک خاص قسم کے آم کی تلاش تھی۔ مگر جس شخص کے پاس اُس آم کا درخت تھا وہ پیوند نہیں دیتا تھا۔ آخر میں نے ایک دوست کو لکھا کہ مجھے فلاں قسم کا کچھ پھل بھیج دیں۔ انہوں نے 12 آم بھیج دیئے۔ ان میں سے کچھ تو رستہ میں ہی سڑ گئے۔ صرف چھ آم سلامتی کے ساتھ پہنچے۔ میں نے سندھ میں وہ لگوا دیئے اور ہدایت کی کہ پانچ پانچ چھ چھ دفعہ ہر پودے کی جگہ بدلی جائے۔ اب اُس کے پودے نکلے ہیں اور دو تین نے پھل بھی دیئے ہیں۔ ایک نے تو ناقص پھل دیا ہے۔ مگر ایک بالکل اپنے اصلی پھل کے طور پر پھل دینے لگ گیا ہے۔ اور تیسرا بہت حد تک اس کے مشابہہ ہے۔ ممکن ہے ایک دو سال تک اس کا پھل بھی اصل پھل کے مشابہہ ہو جائے تو جگہ بدلنا درخت کے لئے نہایت ضروری چیز سمجھا گیا ہے اور اسی سے اس کی اندرونی قابلیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ SURVIVAL OF THE FITTEST یعنی جتنی قابلیت کسی چیز ہوگی اُتنی ہی وہ محفوظ رہے گی۔ مثلاً جتنا تندرست بچہ ہوگا اُتنا ہی وہ بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ اور جتنا تندرست پودا ہوگا اُتنا ہی وہ حوادثِ دہر کا آسانی سے مقابلہ کر سکے گا۔ اس کے مقابلہ میں بیمار بچہ اور بیمار درخت وباؤں اور بیماریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جب بیماری کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں ہوگی تو لازماً وہ مریں گے بھی زیادہ۔ غرض SURVIVAL OF THE FITTEST کی رو سے جو چیز جگہ بدلتی اور اپنے آپ کو قائم رکھتی ہے اُس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اس میں بڑھنے کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ اور اس میں ہمت اور استقلال کا بھی مادہ ہے۔ اس وقت

سارے مسلمانوں پر ایک مصیبت کا دَور آیا ہوا ہے اور ہم بھی اس دور میں سے گزر رہے ہیں۔مگر یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے درخت اپنی جگہ سے اُکھیڑے جاتے اور پھر دوسری جگہ اس لئے لگائے جاتے ہیں کہ ان کا پھل پہلے سے زیادہ لذیذ اور میٹھا ہو۔ اِس وقت دنیا نے دیکھنا ہے کہ ہماری پہلی ترقی آیا اتفاقی تھی یا محنت اور قربانی کا نتیجہ تھی۔ اگر تو وہ اتفاقی ترقی تھی اور ہماری محنت اور قربانی کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا تو یہ یقینی بات ہے کہ ہم دوبارہ اپنی جڑیں زمین میں قائم نہیں کرسکیں گے۔ اور اگر پہلی ترقی اتفاقی نہیں تھی بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل اور ہماری کوششوں اور محنتوں اور قربانیوں کا نتیجہ تھی تو پھر یہ یقینی بات ہے کہ موجودہ مصیبت ہمارے قدم کو متزلزل نہیں کرسکتی۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے ہماری جڑیں اَور بھی پاتال میں چلی جائیں گی اور ہماری شاخیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں گی۔

یہ امر ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کے دو قسم کے فضل ہوا کرتے ہیں۔ ایک رحمانیت والا اور ایک رحیمیت والا۔ ایک فضل وہ ہوتا ہے جو بغیر انسانی کوشش اور جدوجہد کے محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے جیسے ابوجہل کیسا گندہ اور ناپاک وجود تھا۔مگر پھر بھی اسے قوم کی سرداری مل گئی۔ قوم کی سرداری اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔مگر یہ نعمت ابوجہل کو کیوں ملی؟ اس لئے نہیں کہ اس کی کوشش اور محنت کا اس میں دخل تھا۔ بلکہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی رحمانیت کا ابوجہل سے بھی سلوک کیا اور اسے اس نعمت سے حصہ دے دیا۔لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض فضل ایسے ہوتے ہیں جو صفتِ رحیمیت کے ماتحت نازل ہوتے ہیں۔ ان میں یہ شرط ہوتی ہے کہ انسان کوشش کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید رکھے۔ اس طرح ہماری گزشتہ ترقیات اگر ہمارے اعمال سے وابستہ تھیں اور خدا تعالیٰ کی صفتِ رحیمیت نے ہمیں ترقی عطا فرمائی تھی تو یہ لازمی بات ہے کہ جیسے اچھا درخت دوسری جگہ اَور بھی میٹھا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہم احمدیت کا درخت ایسے طور پر لگائیں گے کہ اس کا پھل پہلے سے بھی زیادہ لذیذ اَور میٹھا پیدا ہونے لگے گا۔لیکن اگر ہم میں یہ قابلیت نہ ہوگی کہ ہم نئے ماحول میں اپنے لئے اعلیٰ مقام بنا سکیں تو جیسے کمزور پودا جب دوسری جگہ لگایا جاتا ہے تو وہ پنپ نہیں سکتا اِسی طرح ہماری حالت ہوگی اور ہم بھی ترقی نہیں کرسکیں گے۔ پس ہماری جماعت کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنی چاہئیں اور نئے حالات میں نئے جوش اور نئے ولولہ سے کام کرنا چاہیے۔

دیکھو تمہارا یہ دعویٰ تھا کہ تم تمام دنیا کو فتح کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہو اور تمہارا یہ دعویٰ تھا کہ دنیا کی تمام قومیں احمدیت سے برکت حاصل کریں گی۔ تم اس دعویٰ کو اپنے سامنے رکھو اور پھر سوچو اور غور کرو کہ تمہیں اپنے اندر کتنی بڑی تبدیلی کی ضرورت ہے۔ کتنے بڑے عزم اور کتنے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا جانا اور عورتوں کی طرح رونے بیٹھ جانا یہ کسی مومن کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت پر اس وقت ایک مصیبت آئی ہے۔ لیکن یہ مصیبت ایسی نہیں جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہلے سے خبر نہ مل چکی ہو۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رؤیا اس طرف صریح طور پر اشارہ کر رہا تھا اور گو اس رؤیا کے اَور معنی ہماری جماعت پہلے کرتی رہی ہے اور وہ معنی بھی اپنی جگہ پر درست تھے مگر اس کے دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہم ایک نیا آسمان اور نئی زمین بنا رہے ہیں۔4 ہوسکتا ہے اس رؤیا میں اسی زمانے کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہو جب قادیان کے آسمان اور زمین کو دشمن نے بدل دینا تھا اور بتایا گیا ہو کہ تم اپنے لئے ایک آسمان اور زمین بناؤ گے مگر دشمن اسے تباہ کر دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں پھر توفیق دے گا کہ تم ایک نیا آسمان اور نئی زمین بناؤ۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب وہی وقت آ گیا ہے جب کہ ہمیں ایک نئے آسمان اور نئی زمین کی ضرورت ہے۔ لیکن فرض کرو یہ پیشگوئی اِس وقت کے لئے نہیں۔ تب بھی ایک بیٹا اپنے باپ کی صفات اپنے اندر ضرور رکھتا ہے، اگر ایک کتورہ اپنے باپ کی خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے اگر ایک بکرا اپنے باپ کی خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے تو کیا اشرف المخلوق انسان اور پھر ایسا انسان جو کہتا ہے کہ میں دنیا کو فتح کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں، جس کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ خدا اور بندے کی صلح کے لئے مامور ہے اور جس نے اِس زمانہ میں ایک نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ وہ اپنے روحانی باپ کی خصوصیات اپنے اندر نہیں رکھے گا؟ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماتے ہیں کہ آؤ ہم ایک نیا آسمان اور نئی زمین بنائیں تو مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹے کیوں اس قابل نہیں ہو سکتے کہ وہ دنیا کو ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنا کر دکھا دیں۔ اور یقیناً وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کی جائے اور محنت سے کام لینے کی عادت ڈالی جائے۔

سُست رہنا، اپنے فرائض سے غافل رہنا اور وقت کو ضائع کر دینا یہ بہت بڑی آفت ہوتی ہے۔ اس آفت سے نکلنے کی کوشش کرو اور اُن بہادروں میں اپنے آپ کو شامل کرو جو دنیا کو تبدیل کر دیا کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ تم سے اِس وقت یہ کام لینا چاہتا ہے۔ اور جب خدا کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو وہ اس میں اُس کام کی قابلیت بھی ضرور رکھتا ہے۔ ہاں جب وہ قوم خدا تعالیٰ سے اپنا منہ بالکل موڑ لے تو پھر اللہ تعالیٰ اسے تباہ کر دیتا اور اس کی جگہ ایک نئی قوم لے آتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کا ساتھ نہیں دو گے تو اللہ تعالیٰ ایک اَور قوم لے آئے گا اور تمہیں اس ثواب سے محروم کر دے گا۔5 لیکن جب تک کوئی قوم تھوڑا بہت بھی کام کرتی ہے خدا تعالیٰ کی مدد اسے حاصل رہتی ہے۔ بشرطیکہ وہ رضا بِالقضا کی عادت ڈال لے اور سمجھ لے کہ وہ ایک آلہ اور ہتھیار ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اُس سے کام لے۔ یہی اصل ایمان کی علامت ہوتی ہے اور اِسی ایمان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہوتے ہیں۔

حضرت امام حسنؓ کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ سوال کیا کہ کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے سوال کیا کہ کیا آپ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا ہاں اللہ تعالیٰ سے بھی محبت ہے۔ حضرت امام حسنؓ نے کہا۔ پھر تو آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مشرک ہوئے۔ آپ خدا تعالیٰ سے بھی محبت کرتے ہیں اور مجھ سے بھی۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ مَیں مشرک ہرگز نہیں۔ بے شک مجھے خدا تعالیٰ سے بھی محبت ہے اور تم سے بھی۔ لیکن اگر یہ دونوں محبتیں کسی وقت ٹکرا جائیں تو میں تمہاری محبت کی ذرا بھی پروا نہیں کرونگا بلکہ اسے بے کار سمجھ کر الگ پھینک دونگا۔ پس یہ ایک غلط خیال ہے جو بعض لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے کہ کامل انسان وہ ہوتا ہے جسے کسی سے محبت نہ ہو، پیار نہ ہو، یا وہ کسی دکھ پر غم محسوس نہ کرتا ہو۔

احادیث میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک نواسہ ایک دفعہ شدید بیمار ہوا اور اس کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ آخر ایک دن جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مجلس میں تشریف فرما تھے آپ کی بیٹی نے آپ کو اطلاع بھجوائی کہ لڑکے کی حالت سخت نازک ہے آپ تھوڑی دیر کے لئے تشریف لائیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس وقت کسی سے گفتگو فرما

رہے تھے۔ آپ نے کلام کو قطع کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیغامبر واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپؐ کی لڑکی نے پھر پیغام بھجوایا کہ حالت زیادہ خراب ہے جلدی تشریف لائیں۔ مگر آپ نے پھر بھی توجہ نہ فرمائی۔ آخر تیسری دفعہ پھر پیغام آیا۔ جب تیسری دفعہ پیغام آپ کے پاس پہنچا تو آپ لڑکے کی حالت دیکھنے کے لئے اندر تشریف لے گئے۔ جب آپ گئے اُس وقت لڑکے پر نزع کی حالت طاری تھی۔ آپ نے بچے کو ہاتھ میں اٹھا لیا اور آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ایک صحابیؓ جو آپ کے ساتھ ہی کھڑے تھے انہوں نے آپ کو روتے دیکھا تو حیران ہو کر کہا یا رسول اللہ! آپ خدا کے رسول ہو کر ایک بچے کی موت پر روتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا نے میرے دل میں شفقت اور رأفت پیدا فرمائی ہے۔ اگر تمہارا دل ان جذبات سے عاری ہے تو مَیں کیا کر سکتا ہوں 6 تو جہاں تک جذبات کا سوال ہے کوئی نبی اور ولی اور بزرگ جذبات سے عاری نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر نبی، ہر ولی اور ہر بزرگ خوشی سے خوشی اور غم سے غم محسوس کرتا ہے۔ اور جو شخص ایسا کہتا ہے کہ فلاں بزرگ یا فلاں صوفی غم سے غم اور خوشی سے خوشی محسوس نہیں کرتا وہ بزرگ اور صوفی نہیں بلکہ مکار اور فریبی اور دھوکے باز انسان ہے۔ خدا تعالیٰ کے انبیاء بھی اور صدیق، شہید اور صالح بھی سب تکلیف پر تکلیف اور غم پر غم اور خوشی پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ جو چیز انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے کامل طور پر تابع کر دیتے ہیں۔ گویا اکیلا غم ان پر کبھی نہیں آتا بلکہ ہر غم کے ساتھ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کا احساس بھی اُن کے دلوں میں تازہ ہو جاتا ہے۔

پس تم اپنے قلوب میں تبدیلی، اپنے ارادوں میں پختگی اور اپنے کاموں میں استقلال پیدا کرو۔ تا خدا تعالیٰ کے سامنے بھی ہمارے ایمان کا مظاہرہ ہو اور دنیا کے سامنے بھی ہم جلد سے جلد اپنی جڑیں زمین کی پاتال تک پہنچا کر اسے دکھا سکیں کہ ہمارا درخت پہلے سے بہت زیادہ اونچا ہو گیا ہے اور اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کرنے لگی ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قادیان کا خیال اپنے دل سے نکال دیں گے۔ وہ ہماری چیز ہے اور یقیناً ہمیں مل کر رہے گی۔ لیکن ہم ایسے بزدل بھی نہیں کہ اپنی کمرِ ہمت توڑ کر بیٹھ جائیں۔ ہم اپنے یارِ وفادار کے غدّار نہیں ہیں کہ جب اُس نے ہم پر ایک مصیبت نازل کی ہے تو بجائے خوشی سے اس کو قبول کرنے کے ہم

عورتوں کی طرح بیٹھ کر قادیان کو روتے رہیں۔ قادیان کو قادیان والا سنبھالے گا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اسلام اور احمدیت کی اشاعت اور اس کی تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو اس طرح قربان کر دیں اور اسلام کی خدمت اور اس کے دوبارہ احیاء کے لئے اپنے آپ کو اس طرح وقف کریں کہ اسلام اور احمدیت کی اشاعت کے امکانات زیادہ سے زیادہ روشن ہو جائیں۔ اور اسلام کا جھنڈا اپنی پوری شان کے ساتھ دنیا کے ہر ملک اور ہر گوشہ میں لہراتا ہوا نظر آئے۔ آمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ۔" (الفضل 31 / اکتوبر 1947ء)

1: متی باب 21 آیت 42 تا 44 (مفہومًا)

2: ابراھیم: 25

3: الاعراف: 180

4: تذکرہ صفحہ 193 ایڈیشن چہارم

5: اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (التوبة: 39)

6: بخاری کتاب الْمَرْضیٰ باب عبادَة الصِّبْيَان